کو بھی مشکلات القرآن میں شامل کرلیا گیا ہے۔اب اس پورے ادب میں جوادھرادھر سے آکر جمع ہوا صحیح راستہ متعین کرکے یہ بتانا کہ اس سے مراد کیا ہے اور یہ کس طرح کی آزمائش تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی، مشکلات القرآن کا موضوع ہے۔ یہاں یہ ارشادربانی: انما نحن فتنة فلاتكفر ہم آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں لہٰذا تم کسی کفر کا ارتکاب نہ کرنا۔ پورے واقعہ کو سمجھنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے اس آیت مبارکہ کی تفسیر اس پوری بحث میں ایک بڑی بنیادی چیز ہے۔ اور نہایت ذمہ داری کا تقاضا کرتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علوم القرآن لامتناھی ھیں۔ جن کا احاطہ نہ ایک علوم القرآن نمبر سے ہوسکتا ہے نہ ایک فرد کے بس کی بات ہے ہم تو فقط اس خدمت میں اپنا حصہ شامل کرنے کی کوشش کر رہے ہے یہ کوشش کوئی پہلی کوشش نہیں ہے اس سے قبل تقریباً ایک سو قرآن نمبر مختلف رسائل ومجلات کے شایع ہو چکے ھیں جو انفرادی واجتماعی کاوشوں کا ثمرہ ھیں میں اس علوم القرآن نمبر کو اسی طویل فہرست میں مثالی نمبر کی حیثیت سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

مختلف نمبر نکلے ہیں اور نکلتے رہیں گے یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

اللہ سے دُعا ہے وہ ہمیں مزید قرآنی خدمت کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

محققین وقارئین سے گذارش ہے اس حوالہ سے مزید جو کام ہورہا ہے ہمیں اس سے آگاہ فرمائیں۔ تاکہ اس حوالہ سے مزید نمبر شایع کیے جاسکیں۔

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

چیف ایڈیٹر

عالمی قیام امن کے لئے
قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۲۰۰۹ء
بعنوان
عالمی مذاہب کے درمیان مکالمہ

باہمی خدشات، امکانات اور تصادم
اُسوۂ انبیاء علیہم السلام اور کتب مقدسہ کے تناظر میں

"کانفرنس میں شرکت کے لئے تمام مذاہب (اسلام، یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، سکھ اور پارسی وغیرہ) کی موزوں ترین شخصیات کے انتخاب کے لئے ہمیں تحریری مشورے عنایت کیجئے اور اگر آپ خود بھی دلچسپی رکھتے ہوں تو اپنا اندراج جملہ تحریری کوائف و رابطہ نمبر کے ساتھ کروا دیجئے"۔

ہم سمجھتے ہیں دنیا میں حقیقی و دائمی امن مذاہب کے درمیان مکالمہ کے ذریعہ ممکن ہے اور اسلام نے (سورئہ آل عمران آیت ۲۱۴) سب سے پہلے اس کی دعوت دی ہے۔

زیر اہتمام
انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ کالجز کراچی سندھ (رجسٹرڈ)

صدر انجمن: پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

پتہ: مکان نمبر 162 سیکٹر L/8 اورنگی ٹاؤن کراچی

گوشہ اردو

تدبر قرآن

قرآنی تلاوت غور وفکر سے کرنے کا حکم

جعفر شاہ پھلواری

دنیا کی کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس نے عقل سے کام لینے پر اتنا ضرور دیا ہو جتنا قرآن نے دیا ہے۔ جتنا قرآن نے دیا ہے۔ عقل وفہم کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو قرآن نے مختلف الفاظ سے واضح کیا ہے مثلاً

۱۔ لفظ حکمت سے ویعلمکم الکتب والحکمة (۱) (یہ رسول تمہیں کتاب اور حکمت ودانائی کی تعلیم دیتا ہے۔) ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا (۲) (جسے حکمت و دانائی عطا ہوئی اسے بے شمار بھلائیاں مل گئیں)

۲۔ لفظ لب سے: وما یذکر الا اولو الالباب (۳) (اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)

۳۔ لفظ بصیرة سے: فاعتبروا یااولی الابصار (۴) (عقل والو عبرت حاصل کرو)

افلا تبصرون؟ (۵) (تم بصیرت سے کام نہیں لیتے؟)

۴۔ لفظ فقہ سے: لو کانوا یفقھون (۶) کاش یہ سمجھ لیتے)

۵۔ لفظ شعور سے: وما یشعرون (۷) (یہ شعور سے کام نہیں لیتے۔

۶۔ لفظ عقل سے: افلا تعقلون (۸) (تم عقل سے کام نہیں لیتے۔)

۷۔ لفظ تفکر سے: ان فی ذلك لایات لقوم یتفکرون (۹) (اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

۸۔ لفظ تدبر سے: افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها (۱۰) (یہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ کیا دلوں پر تالے پڑے ہیں؟

۹۔ لفظ توسم سے: ان فی ذالك لایات للمتوسمین (۱۵:۷۴) (اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

ان میں سے ہر لفظ عقل وتدبر اور غور فکر کے ایک الگ پہلو کو واضح کرتا ہے اور کسی ذی فہم سے ان الفاظ کے تیور پوشیدہ نہیں۔ ہر لفظ عقل و دانائی تفقہ وتدبر اور حکمت اور بصیرت کی ترغیب سے بھرپور ہے۔ لیکن اس حقیقت کو قرآن نے انتہا تک جس انداز سے پہنچایا ہے وہ بھی آپ اپنی مثال ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ صم بکم عمی فهم لا یعقلون (۱۱) (یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں اس لئے عقل سے کام نہیں لیتے)

۲۔ ان شر الدواب عند الله الصم البكم الذین لا یعقلون (۱۲) (خدا کی نگاہ میں بدترین مخلوق وہ بہرے گونگے ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے)

۳۔ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (۱۳) (جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر اللہ پلیدی ڈال دیتا ہے)

۴۔ وقالو الو کان نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر (۱۴) (منکرین کہیں گے کہ اگر ہم نے سنا اور عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم جہنمی نہ بنتے)

ذرا غور فرمائیے کہ عقل یا بے عقلی کی برائی میں اس سے بھی زیادہ کچھ کہا جا سکتا ہے؟ قرآن

پاک کی ان واضح آیات کے بعد کچھ اور بتانے کی ضرورت نہیں لیکن مسئلہ اور نکھر کر سامنے آجائے گا اگر بعض احادیث کا ذکر بھی کردیا جائے۔

۱۔عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما أنهٗ دخل علی عائشۃ رضی اللّٰہ عنها فقال یا ام المومنین! أرأیت الرجل یقل قیامهٗ ویکثر رُقاده وآخَر یکثر قیامه ویقل رقاده أیهما أحب إلیك؟قالت: سالت رسول اللّٰه صلی علیه وسلم کما سالتنی عنه، فقال أحسنهما عقلا قلت یا رسول اللّٰه! أسئلك عن عبادتهما، فقال یاعائشة! إنما یُسئلان عن عقولهما، فمن کان أعقل کان أفضل في الدنیا والآخرة (۱۵)

(عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ جناب عائشہؓ کے پاس گئے اور پوچھا کہ ام المومنین! ذرا بتائیے تو سہی کہ ایک شخص ہے جو شب بیداری کم اور آرام زیادہ کرتا ہے اور دوسرا شب بیداری زیادہ اور آرام کم کرتا ہے۔ آپ کو ان دونوں میں کون زیادہ پیارا ہے؟ جناب عائشہؓ نے فرمایا: جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے۔ بالکل وہی سوال میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے کیا تھا تو حضور نے جواب دیا: اے عائشہ! ان دونوں سے باز پرس تو عقل ہی کے بارے میں ہوگی۔ پس جو زیادہ صاحب عقل ہوگا، وہی افضل ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔)

اس ارشاد نبوی سے واضح ہوتا کہ شب بیداری اور عبادت و ریاضت کا مقصد محض چند کلمات وحرکات یا چند مراسم کو ادا کرلینا نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد عقل وشعور اور فقہ وبصیرت پیدا کرنا ہے۔ عقل کے متعلق باز پرس (انما یسئلان عن عقولهما) بڑی معنی خیز حقیقت ہے۔ یعنی باز پرس یہ نہ ہوگی کہ تم نے کتنا پڑھا؟ مگر یہ باز پرس ضرور ہوگی کہ اس تہجد گزاری اور شب بیداری سے اپنے اندر عقل وتفکر کی کتنی قوت وصلاحیت پیدا کی اور اس سے تمہاری سمجھ بوجھ میں کتنا اضافہ ہوا؟ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عبادات کے ذریعے اسلام بے عقل نہیں بنانا چاہتا بلکہ لاانتہا ارتقا پذیر عقل ودانائی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

۲۔ عن عبداللّٰه بن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه

وسلم: لاتعجبوا باسلام امرئ حتی تعرفوا عقدۃ علقہ (١٦) (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ کسی کے اسلام سے اس وقت تک خوش نہ ہو، جب تک اس کی محکم عقل کو نہ جان لو۔)

گویا معاملہ محض عبادات تک محدود نہیں بلکہ پورے اسلام کا مقصد ہی عقل و دانش پیدا کرنا ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ اسلام تو سراپا عقل و حکمت ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو بہرا، گونگا، اندھا اور بے عقل بنانا نہیں چاہتا۔ عاقل و فرزانہ بنانا چاہتا ہے۔ ایسا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھے اور ہر بات عقل کی ترازو پر پوری اترے۔

۳۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَلَا لَاخَيْرَ فِيْ قِرَاءَةٍ لَيْسَ فِيْهَا تَدَبُّرٌ، وَلَا عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيْهَا تَفَقُّهٌ (١٧) سیدنا علی فرماتے ہیں: سن لو کہ جس قرات میں تدبر اور جس عبادت میں تفقہ نہ ہو، اس میں کوئی خیر نہیں۔

یہ روایت حسن اتفاق سے اہل سنت اور اہل تشیع دونوں میں متفق علیہ ہے۔ اصول کافی میں بھی تقریباً یہی الفاظ سیدنا علیؓ سے مروی ہیں (١٨) اللہ اور اس کے رسول کے یہ ارشادات آپ کے سامنے ہیں۔ اس کے بعد خود فیصلہ کیجئے کہ غور و فکر کا حق سلب کر لینا عقل و شعور اور تفکر و تدبر پر قفل لگا دینا اور اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دینا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ آپ نے اکثر یہ الفاظ بعض لوگوں کی زبان سے سنے ہوں گے: ''یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں عقل کا کیا کام ہے؟ بس ایمان لے آنا چاہئے'' اور کوئی چون و چرا نہیں کرنی چاہئے۔ معلوم نہیں ایمان اور عقل میں تناقض کیوں فرض کر لیا گیا ہے؟ عقل سلیم یا غور و تدبر سے تو ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس گوشے کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ وہ عباد الرحمان کی ایک صفت یوں بیان فرماتا ہے:

﴿والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا﴾ (١٩)

جب انہیں آیات ربانی کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اندھے ہو کر
نہیں گر پڑتے۔

یعنی آیات ربانی کو بھی بے سمجھے بوجھے محض خوش اعتقادی سے نہیں مان لیتے بلکہ شعوری و عقلی طور پر سمجھ بوجھ کر ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یوں ہی بے شعور و عقل بہروں، اندھوں کی طرح آیات ربانی پر نہیں گر پڑتے بلکہ ان کے فلسفہ وحکمت کو بھی سمجھتے ہیں۔ مصالح کے تمام پہلوؤں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ انطباق کے مواقع کو بھی پہچانتے ہیں۔ سیاق وسباق اور دوسرے احکام سے اس کے ربط کا بھی فہم رکھتے ہیں۔ نیز نئے نئے حقائق کے موتی نکالنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ ہے بہرے اندھے ہو کر نہ گرنے کا مطلب۔ اگر قرآن پر بے سمجھے بوجھے بہرے اندھے بن کر ایمان لانا ضروری ہو تو عقل وتدبر کو غیر ضروری فرض کر لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ربانی کلام کے بعد انسانی کلام کی کورانہ تقلید کی بھی عادت پڑ گئی اور تقلید جامد گویا جزو ایمان بن کر رہ گئی۔ ربانی کلام اور انسانی تعبیر و تفسیر کا فرق کسی وقت آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ کسی حکم الٰہی کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو یہ ہمارا قصور فہم ہوگا مگر اس کے پر حکمت ہونے پر ایمان رکھنا ضروری ہوگا۔ لیکن انسانی تعبیر وتفسیر کے حتمی ہونے پر ایمان لانا اور بے سمجھے بوجھے تسلیم کر لینا ضروری نہیں۔ اگر وہ کتاب وحکمت کے مطابق نظر آئے گی تو مان لی جائے گی ورنہ مفسر کی نیک نیتی کو تسلیم کرنے کے باوجود اسے رد کیا جا سکتا ہے۔

عقل وفہم خدا کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو اس کا زنگ آلود ہو جانا یقینی ہے۔ اس زنگ آلودگی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے متعلق تقریباً وہی پوزیشن اختیار کر لی ہے جو اہل کتاب اور مشرکوں نے اختیار کر رکھی تھی۔ ان سے جب کسی غلطی کو ترک کر کے راہ راست پر آجانے کی فرمائش کی جاتی تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ ﴿بل نتبع ماالفینا علیه آباء نا﴾ (۲۰) (ہم تو اسی بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے) ﴿وجدنا علیه اباء نا﴾ (۲۱) (ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی

روش پر پایا ہے۔)

اس قسم کی وہ تقلید جامد ہے جس کے متعلق مولانا رومی نے کہا ہے ۔چند صد لعنت بریں تقلید بات یہ ہے کہ جب عقلی وفکری صلاحتیں کمزور پڑ جاتی ہیں تو جمود پیدا ہو جاتا ہے اور ارتقاء پزیر ممکنات کی نمود ختم ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں آسان راستہ یہی نظر آتا ہے خود سر کھپانے کی بجائے دوسروں کی فکر پر کلی اعتماد کر لیا جائے۔ خود سوچنے میں خطا کا امکان ہے لہٰذا یہ خطرہ کیوں مول لیا جائے؟ کیوں نہ اپنے برے بھلے کی ذمہ داری کسی اور کے کاندھوں پر ڈال دی جائے؟ تقلید اسی سہل انداز زیست کا نام ہے۔ اس کا ایک سبب تو علم، قوت فکریہ اور حریت ضمیر کی کمی ہے۔ اور دوسرا سبب ایک مجبورانہ حالت بھی ہے۔ جب انسان معاشی کاروبار اور دوسرے دھندوں میں پھنس جاتا ہے تو اس کے پاس اتنا موقع ووقت نہیں ہوتا کہ وہ نازک مسائل کی باریکیوں پر غور کرے۔ اس طرح کی مجبوریوں مین اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ دوسروں کی تحقیق پر مقلدانہ اعتماد کرے۔ ایسے لوگوں کو اجتہاد کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ وہ صرف اپنے فن مین مجتہد ہو سکتے ہیں۔

تقلید ایک ابتدائی ضروری قدم ہے مگر کوئی نصب العین اور آخری مقصد نہیں۔ ایک بچہ ابتداء میں اپنے معلم کا مقلد ہی ہوتا ہے۔ لیکن وہ ایک دن وہ خود پڑھنے اور دوسروں کو پڑھانے کے لائق ہو جاتا ہے یہی صورت معاشرے کی بھی ہے۔ جس میں ایک طبقہ عوام مقلد ہوتا رہے گا لیکن اسی میں سے وہ افراد بھی پیدا ہوتے رہیں گے جو تقلید کے ابتدائی زینوں سے گزر کر بام اجتہاد پر فائز ہو جائیں انہیں کو اولوا الاحلام والنہی یا ارباب حل وعقد کہتے ہیں۔ امت میں انکا وجود محض درجہ اباحت میں نہیں بلکہ واجبات میں ہے۔ آیئے ذرا کتاب وسنت میں بھی اسے تلاش کریں۔

ارشاد قرآنی ہے۔ا ﴿ ولو ردوه الى الرسول والى أولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم﴾ (۲۲) (اگر وہ (امن یا خوف کی باتوں کو) رسول اور اپنے

اولی الامر تک لے جاتے تو ان کے استنباط کرنے والے لوگ اسے معلوم کر لیتے)۔

یہ استنباط کیا ہے؟ یہ اجتہاد ہی کا دوسرا نام ہے اور ہر فن کا ماہر اس کی صلاحیت رکھتا ہے وہ مسلمات اور کلیات کی روشنی میں پیش آمدہ پیچیدگی کو سلجھاتا ہے اور یہی اس کا اجتہاد ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

۲ ﴿فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین﴾ (۲۳) (تو ان میں کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت ایسی کیوں نہ نکلی جو دین میں تفقہ حاصل کرتی؟ یہ تفقہ فی الدین آخر کیا چیز ہے جسے قرآن ایک طبقے کے لئے ضروری قرار دے رہا ہے۔ یہ حکم صرف عہد رسالت کے لئے تھا یا پوری امت کے لئے ایک دوامی حکم ہے؟ کیا یہ تفقہ فی الدین اجتہاد ہی کا دوسرا نام نہیں؟ اور کیا قرآن نے کسی دور کے لئے اس تفقہ کا دروازہ بند بھی کیا ہے؟ ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے۔

قرآنی ارشادات کے بعد ہمارے سامنے حدیث رسول آتی ہے جو قرآن کی سب سے بہتر تفسیر ہے۔ اس سلسلے میں ہماری نظر سب سے پہلے اس مشہور حدیث معاذ پر جاتی ہے جو اس مضمون پر فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ اَنْ یَبْعَثَہٗ ۔ اَیْ مُعَاذًا ۔ اِلَی الْیَمَنِ، قَالَ لَہٗ: کَیْفَ تَقْضِی؟ اِذا عُرِضَ لَکَ قَضَآءٌ، قَالَ: اَقْضِی بِکِتَابِ اللّٰہِ، قَالَ: اِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ؟ قَالَ اَقْضِی بِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ، قَالَ: فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ؟ قَالَ اَجْتَہِدُ بِرَأْیِ وَلَا آلُ، فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدْرَہٗ، وَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِہٖ لِمَا یَرْضَی رَسُوْلُ اللّٰہِ (۲٤)

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب (حضرت) معاذ کو والی یمن بنا کر بھیجنا چاہا تو ان سے پوچھا:

تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ ملے؟ عرض کیا پھر سنت رسول اللہ کے مطابق۔ فرمایا: اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ دونوں میں نہ ملے؟ جواب دیا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ حضورؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔)

اس حدیث سے دو باتیں تو واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ کتاب وسنت میں قیامت تک ہونے والے جزئیات موجود نہیں اور وہیں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اجتہاد رضائے رسول ہے۔ دوسرے یہ کہ اجتہاد حضرت معاذ کے ساتھ مخصوص نہیں ورنہ حضورؐ ﴿ خاصة لك من دون المومنين ﴾ بھی فرما دیتے۔ نیز پھر کوئی صحابی مجتہد نہ ہو سکتا اور ائمہ اربعہ کو مجتہد ہونے کا حق نہ ہوتا۔ ہمارے اس بیان کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو یوں ہے:

۲۔ اذحکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد فاخطا فله اجر (۳۵) (جب قاضی اپنے اجتہاد سے ٹھیک فیصلہ دے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے۔ (ایک اجتہاد کا دوسرا اصابت کا) اور اگر وہ اجتہادی فیصلے میں غلطی کر جائے تو ایک اجر ملے گا (صرف اجتہاد کا)

اس حدیث سے بھی دو باتیں بڑی وضاحت سے ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ یہ حق اجتہاد صرف حضرت معاذ یا کسی معاصر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو منصب قضا پر مامور ہو۔ دوسرے محض غلطی کے امکانات سے ڈر کر اجتہاد سے دستکش رہنا ایک اجر کو ضائع کرنا ہے۔

زندگی کے ارتقا پزیر ممکنات اجتہاد ہی سے وابستہ ہیں اور اس کا دروازہ وہ رسول کیسے بند کر سکتا تھا جس کا سب سے بڑا کارنامہ ہی یہ ہے کہ وہ ممکنات حیات کو بروئے کار لائے اور دنیا کو ارتقا پزیری کی راہ سے روشناس کرائے۔

ان احادیث کے ساتھ دو ''اثر'' بھی ملا لیجئے تو بات اور زیادہ واضح ہو جائے گی یہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوبات ہیں: ۱ آپ نے سیدنا قاضی شریح کو لکھا: اقض بما فی کتاب اللّٰہ فان لم یکن فبسنة رسول اللّٰہ فان لم یکن فی کتاب اللّٰہ ولا فی سنة رسول اللّٰہ فاقتض بما قضی به الصالحون فان لم یکن فیما قضی به الصالحون فان شئت فتقدم وان شئت فتاخر ولا اری التاخر الاخیرلك (۲۶)(فیصلہ کتاب اللہ سے کرو۔ اگر وہاں نہ ہو تو سنت رسول اللہ سے کام لو۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں میں نہ ہو تو صالحین کے اجتہادی فیصلے کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر صالحین کے فیصلوں میں بھی نہ ملے تو خواہ بروقت کوئی فیصلہ کر دو یا ذرا غور وفکر کے بعد کرو۔ اور میری رائے میں تمہارے لئے ذرا غور وفکر کر لینا ہی بہتر ہے۔)

۲۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو آپ نے یہ لکھا: الفهم الفهم فیما اختلج به صدرك مما لکم یبلغك فی الکتاب والسنة واعراف الامثال والا شباه ثم قس الامور عندذلك۔ (۲۷) (جس معاملے کا سراغ کتاب وسنت میں نہ ملنے کی وجہ سے تمھارے دل میں خلجان پیدا ہو، وہاں عقل وفہم سے کام لو اور نظائر پر معاملات کو قیاس کر لو۔

اس ارشاد فاروقی میں کتاب وسنت کے علاوہ ایک اور چیز کا اضافہ ہے یعنی صالحین کے فیصلوں کو بھی بطور نظائر (PRECEDENTS) سامنے رکھنا چاہئے۔ اور کہیں کوئی واضح حکم و فیصلہ نہ ملے تو قیاس سے کام لینا چاہئے۔ یہی قیاس اجتہاد ہوتا ہے جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ معاشرے کی تشکیل اور زندگی کے تقاضے ہر روز نت نئے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ زندگی کے ممکنات لامتناہی اور اس کے تنوعات بھی لامحدود ہیں۔ قیامت تک ہونے والے واقعات کی جزئی جزئی تفصیلات اور ان کے فیصلے کسی کتاب میں نہیں سما سکتے۔ لہٰذا اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے کوئی معنی نہیں۔

یہاں ایک ضروری گزارش بھی سن لیجئے مگر ذرا غور سے سنیے۔عقل وتدبر اور قیاس و اجتہاد کے حق میں آپ نے کتاب اللہ اور اخبار وآثار کے کچھ دلائل سن لئے۔ہمیں افسوس ہے اس کے خلاف ہمیں کوئی دلیل نہ مل سکی۔نہ قرآن میں نہ حدیث نہ آثار صحابہ میں۔اب سوال صرف یہ ہے کہ یہ دعوی کیوں اور کس دلیل سے کیا گیا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے؟ یہ خود ایک اجتہاد ہے۔لہٰذا اگر واقعی اجتہاد کا دروازہ بند کرنا ہے تو سب سے پہلے خود اس اجتہاد کا دروازہ بند کیجئے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔اگر کچھ لوگ اجتہاد سے یہ فرما سکتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے تو دوسروں کو یہ اجتہاد کرنے کا بھی حق ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لئے کھلا ہے۔دونوں اجتہادوں میں فرق صرف یہ ہوگا کہ ایک کے لئے کوئی دلیل نہیں اور دوسرے کے حق میں نقلی دلائل بھی ہیں اور عقلی بھی۔اب آپ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں اختیار کر لیجئے۔

مگر ذرا ٹھہریے! صرف دلائل پر اکتفا نہ کیجئے۔امت کا تعامل کیا جا رہا ہے اسے بھی دیکھتے چلئے۔خود حضورﷺ کے عہد میں بھی اجتہاد ہوتا رہا ہے اور حضورﷺ نے اس کی تصویب فرمائی ہے اور حضورﷺ کے بعد تو اس قدر بہتات سے اجتہاد ہوتا رہا ہے کہ اس کا شمار ہی مشکل ہے۔عہد نبوی کی ایک مثال لیجئے۔اوس بن صامت اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کو ماں سے تشبیہ دیتے ہیں جسے اصطلاح فقہ میں ظہار کہتے ہیں۔حضورﷺ قدیم رواج کے مطابق فرماتے ہیں کہ تم دونوں میں ابدی جدائی ہوگئی اور باہم ملنے کی صورت نہیں۔خولہ کہتی ہیں کہ یہ طلاق کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ لفظ طلاق بولا نہیں اور میں اس کی ماں کس طرح ہو سکتی ہوں جبکہ میں نے اسے جنا نہیں۔اس منظر کو آنکھوں کے سامنے لایئے کہ ایک طرف ایک معمولی عورت ہے اور دوسری طرف معلم الکتاب والحکمۃ سراپا عقل ودانائی ہے۔عورت اس پیغمبر کی عقل وحکمت سے جھگڑتی ہے اور اپنا قیاس بھی پیش کرتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وحی الٰہی اس عوت کی تائید میں نازل ہوتی ہے۔اٹھائیسویں پارے کی پہلی سورت کا نام ہی سورہ مجادلہ ہے۔جس کا آغاز یوں ہے:

﴿قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجها﴾ (۲۸) (اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے بارے میں مجادلہ ومباحثہ کرتی رہی۔)

اسی طرح جب میدان بدر میں اسلام وکفر کا پہلا معرکہ پیش آ رہا تھا، حضور ﷺ نے پڑاؤ کے لئے ایک جگہ متعین فرمائی۔ حباب بن منذر نے عرض کیا کہ اگر یہ جگہ وحی سے نہیں پسند کی گئی ہے تو فلاں جگہ پڑاؤ کے لئے موزوں تر ہے۔ حضور ﷺ نے حباب کی رائے مان لی اور پڑاؤ کی جگہ بدل لی۔ جناب حباب نے اپنے قیاس وعقل ہی سے یہ معروضہ پیش کیا تھا۔ (۲۹)

پھر حضور ﷺ کے بعد ہی جو اجتہادات صحابہ کے ہوئے ہیں، وہ تو بے شمار ہیں۔ ان میں قابل غور واجتہادات ہیں جہاں احکام وعمل کی اسپرٹ اور لچک کو محفوظ وملحوظ رکھتے ہوئے بعض منصوصات ومعمولات تک میں تبدیلی کردی گئی۔ صرف چند مثالیں سن لیجئے:

۱۔ قرآن نے مولفۃ القلوب کو صدقہ دلوایا ہے۔ سیدنا ابابکر صدیق نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی رائے سے اسے بند کردیا۔ (۳۰)

۲۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تو بے شمار اجتہادات ہیں جو عہد نبوی کے صریح فیصلوں کے خلاف ہیں مثلاً

(الف) عہد نبوت میں عورت کا نام لے کر تشبیب کی جاتی تھی۔ جناب کعب بن مالک کا قصیدہ بہترین نعت تسلیم کیا گیا ہے، جس کے ایک شعر پر حضورؐ نے اپنی چادر مبارک کعب کو انعام میں مرحمت فرمادی۔ اس قصیدے کا آغاز ہی سعاد نامی عورت کے ذکر سے ہوا ہے۔ بانت سعاد قلبی الیوم مقبول، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں عورت کا نام لیکر تشبیب کرنے سے روک دیا کیونکہ اس میں فحش کا ایک پہلو پیدا ہوتا ہے۔ (۳۱)

(ب) عہد نبوی میں ہجویہ اشعار پڑھے جاتے تھے اور خود حضورؐ نے حسان بن ثابت سے

مشرکوں کے جواب میں اشعار ہجو پڑھوائے ہیں۔ مگر سیدنا عمرؓ نے اس کی ممانعت فرمادی کیونکہ اس سے جاہلیت کی گزشتہ باہمی عداوتیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ (۳۲)

(ج) عہد نبوی میں مفتوحہ زمینیں مجاہدوں میں تقسیم ہوئی ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے یہ سلسلہ بالکل ختم کر دیا کیونکہ آنے والی نسلوں کے لئے پھر کچھ باقی نہ رہے گا۔ (۳۳)

(د) عہد نبوی اور دور صدیقی میں بیک مجلس تین طلاقیں رجعی سمجھی جاتی تھیں (۳۴) مگر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو کثرت طلاق سے روکنے کی غرض سے روکنے کی غرض سے ایسی تین طلاقوں کو مغلظ قرار دیا اور پھر اس فیصلے پر شدید ندامت کا بھی اظہار فرمایا۔ (۳۵)

(ر) کتابیہ سے مناکحت کی اجازت قرآن نے دی ہے لیکن فاروق اعظم نے اپنے بعض گورنروں کو اس سے روک دیا کیونکہ کتابیہ کے مال و جمال کی طرف مسلمانوں کو زیادہ رغبت ہونے لگے گی تو مسلمان عورتوں کو رشتہ ملنے میں دشواریاں پیدا ہونے لگیں گے۔ (۳۶)

(د) عہد صدیقی تک ام ولد کی بیع ہوتی رہی۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے روک دیا۔ (۳۷)

(ز) حلالہ کرنے یا کرانے والے کے لئے کتاب وسنت میں کوئی سزا نہیں بیان کی گئی ہے۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے لئے رجم کی سزا کا اعلان فرمادیا کیونکہ یہ مناکحت کا نہایت غلط استعمال ہے۔

(ح) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح صرف ایک سال رمضان کے عشرہ اواخر کی فقط تین طاق راتوں میں پڑھی (۳۸) سیدنا فاروقؓ نے پورے ماہ ہر شب بیس رکعات باجماعت تراویح کا اہتمام فرمایا (۳۹)

(ط) اسی طرح حضرت عمر نے گھوڑوں پر زکوۃ اور عنبر پر خمس لگایا جو پہلے نہ تھا اور مختلف قسم کی کاشت پر خراج کی مختلف شرحیں مقرر فرمائیں جو پہلے نہ تھیں، نیز مختلف ممالک کے قیدیوں کے فدیئے بھی مختلف مقرر فرمائے حالانکہ پہلے یہ صورت نہ تھی۔(۴۰)

(ع) خطبہ جمعہ کی اذان سے پہلے کوئی اذان نہ عہد نبوی میں تھی نہ دور صدیقی میں اور خلافت فاروقی میں۔ یہ اضافہ سیدنا عثمانؓ نے فرمایا کیونکہ لوگوں کی کاروباری مصروفیات اتنی زیادہ ہوگئی تھیں کہ اذان خطبہ سنتے ہی فی الفور آکر خطبہ جمعہ نہیں سن سکتے تھے۔(۴۱)

مثالیں اور بھی بہت سی ہیں۔ یہاں سب کا احاطہ وشمار مقصود نہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد چند سالوں میں یہ تبدیلیاں ہوئیں حالانکہ اس دور کا تمدن سمٹا ہوا اور بڑی حد تک محدود تھا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان چودہ صدیوں میں کسی تبدیلی کی کبھی کوئی ضرورت نہ ہوئی ہوگی۔ خواہ تمدن نے کتنا ہی پھیلاؤ اختیار کر لیا ہو اور صنعتی وسائنسی ترقیوں نے سوسائٹی کا ڈھانچہ ہی کیوں نہ بدل دیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ دین تو ناقابل تبدیل اصول زندگی کا نام ہے۔ لاتبدیل لکلمت اللہ ذلک الدین القیم (۴۲) لیکن شریعت کے تمام فروع دین کی طرح ناقابل تبدیل نہیں۔ دین تو وہ روح اور اسپرٹ ہے، جو تبدیل نہیں ہوسکتی۔ اور شریعت اسی روح کی تشکیل کا نام ہے۔ مقصد اسپرٹ کو باقی رکھنا ہے اور شکل بدلنے سے اسپرٹ نہیں بدل جاتی۔

اجتہاد کے حق میں سب سے بڑی دلیل مختلف مذاہب کا وجود ہے۔ یہ مالکی، حنفی۔ شافعی۔ حنبلی اور دوسرے بہت سے اسلامی مذاہب کس طرح وجود میں آگئے اگر اجتہاد کا دروازہ بند تھا تو ان بے شمار مذاہب اسلامیہ کی کیا توجیہ (JUSTIFICATION) ہوسکتی ہے؟

یہ سارے مذاہب دراصل خام مواد ہیں شریعت کے لئے۔ دین ہر ایک کا ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ اگرچہ یہ شریعتیں مختلف ہیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم جس فرقے یا مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، وہ تو عین اسلام ہے اور باقی مذاہب اسلام نہیں۔ آج یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ شریعت تو بن چکی اور

اس کی کسی بات میں بھی ردو بدل اور اضافہ وترمیم جائز نہیں۔ نا قابل ترمیم صرف دین ہے اور شریعت ہر دور میں ترمیم قبول کرسکتی ہے۔اور یہیں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ترمیم شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ شروع سے آخر تک سب کچھ بدل دیا جائے بلکہ:

(الف) ان شریعتوں میں جو چیز اپنے عصری تقاضوں کے مطابق ہوگی وہ باقی رکھی جائے گی۔(ب) جس کی ضرورت نہیں اسے ترک کردیا جائے گا۔

(ج) جس جدید شے کی ضرورت ہوگی اس کا اضافہ کردیا جائے گا۔اور اس وقت صرف عالمی مصالح امت کو پیش نظر رکھا جائے گا۔اور تمام شریعتوں کے خام مواد سے استفادہ کیا جائے گا۔ پھر یہی قوانین ایک خاص دور کی شریعت ہوں گے جب سب پر لاگو ہوں گے ایک اسلامی ملک میں دس قوانین یا شریعتیں ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ جس دور کے لئے جو شریعت بنے گی وہ بھی ابدی نہیں ہوگی۔ضرورت پیش آنے پر اس میں بھی حک واضافہ ہوتا رہے گا۔دین اور شریعت کے فرق کے لئے یوں سمجھنا چاہیئے کہ انسان تغیر وثبات کا مجموعہ ہے۔اس کی آنا یا ذات یاEGO تغیر نا آشنا ہے لیکن اس کا جسم ہر آن بدلتا رہتا ہے۔اس تغیر سے اس کی شخصیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ٹھیک اسی طرح اسلام کے بھی دو حصے ہیں۔ایک حصہ ہمیشہ باقی وقائم رہنے والا اور وہی ہے دین قیم۔اور دوسرا حصہ تغیر پذیر ہے جو ضرورت ومصلحت کے وقت بدل جاتا ہے اور یہی ہے شریعت۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب خلفائے راشدین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بعض شرعی منصوصات ومعمولات کو بدل دیں تو کیا فضلائے امت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان خلفائے راشدین کے فیصلوں میں اسی وزن کی دوسری مصلحتوں کے پیش نظر حک واضافہ کردیں۔اور اپنے اجتہاد سے کام لے کر ترمیم واضافہ کا فریضہ ادا کریں۔اجتہاد کا مطلب یہ نہیں کہ جو چاہے اور جس حکم کو چاہے اٹھا کر بدلنا شروع کردے اور اجتہاد کا نام دے دے۔جس طرح ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں اسی طرح یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہر کس وناکس کو اجتہاد کا حق نہیں۔اس کے لئے

کچھ شرائط ہیں اور ہرفن کا یہی حال ہے کہ ممارست رکھنے والا اس فن میں رائے دے سکتا ہے۔اجتہاد کے لئے ضروری ہے کہ:

۱۔ کسی حکم میں ردوبدل اسی وقت ہو جب شدید ضرورت ہو۔

۲۔ وہ حک واضافہ پیچیدگی کا واقعی حل ہو۔

۳۔ تبدیل وترمیم ارباب حل وعقد کریں اوراس میں خیر غالب کا خیال رکھیں۔

۴۔ اساسی اقداردین مجروح نہ ہوں۔وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے ضروری شرائط اجتہاد کا ذکر کیا ہے۔تفصیل میں جانا مقصود نہیں۔ہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اب فاروق اعظمؓ اورامام اعظمؒ جیسے لوگ کہاں ہیں جواجتہاد کا حق ادا کرسکیں،یعنی اب ایسے لوگ نہیں اس لئے اجتہاد بھی نہیں ہوسکتا۔اگر یہی استدلال کا انداز رہا تو کل یہ بھی کہا جائے گا اب علی مرتضیٰؓ جیسے مخلص مجاہد کہاں جو دشمن کے تھوکنے کے بعداس کے سینے سے اتر آئیں؟لہذا اب قتال فی سبیل اللہ بھی نہیں ہوسکتا۔اب عمر فاروقؓ جیسے عادل وانصاف والے لوگ کہاں ہیں جو قحط میں گھی کھانا چھوڑ دیں اوراپنے فرزند کو بھی درے لگانے سے دریغ نہ کریں۔لہذا اسلامی نظام عدالت قائم کرنے کا خیال چھوڑ دیں اب امام ابوحنیفہ جیسے عالم ومتقی فقیہ کہاں ملیں گے اس لئے درس فقہ کو بھی ختم کردینا چاہیئے۔غرض اس قسم کے خدشات وشبہات کو ہم وسعت دیتے چلے جائیں تو زندگی کے ہر موڑ پر مایوسی ہی مایوسی نظر آنے لگی گی اور پورے اسلام ہی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔سیدھی بات یہ ہے کہ اس نوع کی مایوسانہ باتوں سے نہ تو زندگی کی تعمیر ہوسکتی ہے نہ معاشرتی مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔ہر دور کے مسائل کا حل یوں ہی نکل سکتا ہے کہ ہر مسئلے کے ارباب حل وعقد ماہرین جیسے بھی اس دور میں میسر آئیں۔اجتہاد کریں اور غلطی کے منطقی امکانات سے خوف نہ کھائیں۔غلطی کے امکانات تو صدراول میں بھی موجود تھے۔اگر یہ امکانات نہ

ہوتے تو فقہ کا مسئلہ کہاں سے بنتا کہ مجتہد کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور ٹھیک بھی (المجتہد یخطی ویصیب) اور پھر حضورؐ یہ کیوں فرماتے کہ ٹھیک رائے دینے والے کے لئے دو اجر ہیں اور غلطی کرنے والا ایک اجر کا مستحق ہے۔ خطا اور غلطی ہی تو انسان کا مابہ الامتیاز وصف ہے۔ غلطی وخطا ہی تو انسان کو ارتقاء کی طرف لے جاتی ہے۔ جمادات وحیوانات غلطی نہیں کرتے اس لئے ان میں عقلی ارتقاء بھی نہیں۔ انسان غلطی کرتا ہے تو اس کی تلافی کرتا ہے۔ ٹھوکر کھاتا ہے تو سنبھلتا ہے اور اسی طرح کے تجربات اسے ارتقاء کی طرف لے جاتے ہیں ورنہ وہ ایک ہی جامد حالت میں پڑا رہے اور بے خطا جانوروں پر اسے کوئی شرف حاصل نہ ہو۔ قرآن کریم نے جو قصہ آدم بیان کیا ہے اس میں بڑی خوبی سے یہ حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ خطا کار آدم کو بے خطا فرشتوں پر کیوں فضیلت حاصل ہوئی اور معصوم و بے خطا مخلوق کے ہوتے ہوئے خلافت ارضی خطا کار مخلوق کے سپرد کیوں کی گئی۔

اگر آج علی وخالد وضرار رضی اللہ عنہم نہ ہونے کے باوجود ہم جہاد وقتال کر سکتے ہیں اگر عمرؓ اور شریح کے موجود نہ ہونے پر بھی نظام عدالت قائم کر سکتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ ابو حنیفہؒ شافعیؒ کے نہ ہونے کے باوجود اجتہاد کو ختم کر دیا جائے۔ دروازہ نہ اس کا بند ہے نا اس کا۔ اجتہاد کا مطلب ائمہ مجتہدین سے سرتابی نہیں بلکہ انہی کی مساعی مشکورہ سے فائدہ اٹھانے کا نام اجتہاد ہے۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اجتہاد محض جائز کی حد تک نہیں۔ یہ جواز وعدم جواز سے بلند تر حقیقت ہے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے جو اپنی نمود چاہتا ہے اور زندگی کے ہر ہر گوشے میں اس کی طلب موجود ہے۔ اگر ہم اس فطری مطالبے کو حسن وخوبی کے ساتھ پورا نہیں کرتے تو اس سے خود ہمارا اپنا نقصان ہوگا۔ محض جائز وناجائز کہہ کر الگ ہو جانے سے کسی مسئلے کا حل نہیں نکلا کرتا۔ آج کے ایٹمی دور نے زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا ہے۔ نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، جن کا حل اجتہاد کے بغیر نہیں نکل سکتا۔ مثلاً انشور کرانا، بنکاری اور اس کا منافع، خاندانی منصوبہ بندی۔ ایک کا خون دوسرے کے جسم میں ڈالنا، مرنے والے کی رضامندی سے اس کی آنکھ یا کوئی حصہ جسم

زندوں کے کام میں لانا۔ زمین یا دوسرے ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت قرار دینا۔ رویت ہلال کے لئے فلکیات پر اعتماد کرنا، عورتوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کا مقام اور پردے کی حد متعین کرنا، بعض جائز چیزوں مثلاً تعداد ازواج، کسی کی شادی، طلاق، دعوت، ذبائح، سفر حج وغیرہ پر بعض پابندیاں عائد کرنا، جہیز کی اصلیت، حضانت کی مدت، مفقود الخبر کی میعاد، فوٹو گرافی، موسیقی، مصوری وغیرہ اور اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہمارے دور کے مسائل ہیں جن کا تعلق براہ راست ہماری زندگی سے ہے۔ یہ روزمرہ کے مسائل اجتہاد ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔ ان میں بعض مسائل تو وہ ہیں جن کا ذکر قدیم کتب فقہ میں سرے سے موجود نہیں اور بعض وہ ہیں جو ہماری کتب فقہ میں موجود ہیں لیکن وہ عوام کی نگاہوں سے اوجھل رہے ہیں یا اوجھل رکھے گئے ہیں۔ اور کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو کسی خاص دور کے لئے تھے اور اب تک ہم اسی پر قائم ہیں۔ حالانکہ نقشہ زندگی بدل جانے کی وجہ سے اب ان پر قائم رہنا ضروری نہیں۔

ہم اپنی توانائیوں کا بڑا حصہ ایسے مسائل میں بھی صرف کر چکے ہیں جن کے متعلق نہ آخرت میں باز پرس ہوگی اور نہ دنیا میں کچھ کام آئیں گے۔ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ آنحضور ﷺ کو علم غیب تھا یا نہیں؟ حضور ﷺ بشر ہیں یا نہیں؟ صحابہؓ میں کون افضل ہے اور کون مفضول؟ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ سیاہ تھا یا سفید؟ براق کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ حضرت مسیح چوتھے آسمان پر زندہ ہیں یا نہیں؟ ان جیسے مسائل پر ہم نے اپنی بہت سے توانائیاں صرف کر دی ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ عقل اور اجتہاد سے کام لے کر ان مسائل کو حل کریں جن کا براہ راست ہماری زندگی سے تعلق ہے۔ اگر ہم اس فریضے میں کوتاہی کریں گے۔ تو زمانہ ہماری پروا کئے بغیر آگے بڑھتا جائے گا۔

سچ پوچھئے تو زمانہ خود ہی ایک بڑا موثر مفتی ہے۔ لوگ خود ہی اس کا فتویٰ مان لیتے ہیں لیکن بعد از خرابی بسیار۔ آج سے تین پینتس سال پہلے جب پہلی بار بمبئی میں لاؤڈ سپیکر سے خطبہ عید کا کام لیا گیا تو اکثر علماء نے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا اور دیکھتے دیکھتے اب یہ صورت

ہوگئی کہ بے ضرورت شور سے روکنے کے لئے اگر حکومت لاؤڈ اسپیکر کہیں بند کرتی ہے تو یہی علماء شور مچاتے ہیں کہ حکومت تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کو بند کرتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آج ہم جو باتیں عرض کررہے ہیں ان کو یہ حضرات کچھ دنوں بعد انشاء اللہ مان لیں گے کیونکہ زمانہ خود بہترین مفتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن:۲/۱۵۱
۲۔ القرآن:۲/۲۶۹
۳۔ القرآن:۲/۲۶۹
۴۔ القرآن:۵۹/۳
۵۔ القرآن:۳۸/۷۳
۶۔ القرآن:۹/۸۱
۷۔ القرآن:۲/۹
۸۔ القرآن:۲/۴۴
۹۔ القرآن:۱۳/۲
۱۰۔ القرآن:۴۷/۲۴
۱۱۔ القرآن:۲/۱۷۲
۱۲۔ القرآن:۸/۲۳
۱۳۔ القرآن:۱۰/۱۰۰
۱۴۔ القرآن:۶۷/۱۰
۱۵۔ کتاب الاذکیاء لابن الجوزی، طبع مصر، ص۴
۱۶۔ ایضا، ص۴
۱۷۔ مسند داری
۱۸۔ اصول کافی مطبوعہ نو کشور، ص۱۹
۱۹۔ القرآن:۲۸/۷۳
۲۰۔ القرآن:۲/۱۷۰
۲۱۔ القرآن:۵/۱۰۴
۲۲۔ القرآن:۴/۸۳

۲۳۔ القرآن: ۹/۱۲۳

۲۴۔ ابوداؤد: جلد۲،ص۵۰۵

۲۵۔ ابوداؤد: جلد۲،ص۵۰۳

۲۶۔ کنزالعمال

۲۷۔ مسند داری، ص۳۲، ازلتہ الخفاء، ص۸۶

۲۸۔ القرآن: ۵۸/۱

۲۹۔ البدایۃ والنہایہ: ج۳، ص۲۶۷، مطبوعہ مصر

۳۰۔ عمدۃ الرایہ (حاشیہ شرح وقایہ، جلد اول، حاشیہ نمبر۲، ص۲۹۶

۳۱۔ اسدالغابۃ، تذکرہ حمیدی بن ثور

۳۱۔ آغانی لابی الفرج الاصبہانی، ۴: ۵ مطبوعہ مصر

۳۳۔ کتاب الخراج۔ ص۲۳،۲۴

۳۴۔ مسلم: جلد۴، ص۱۸۲، طبع مصر

۳۵۔ اغاثۃ اللہفان لابن قیم: ص۱۸۱، مطبوعہ مصر

۳۶۔ ایضا

۳۷۔ ایضا

۳۸۔ السنن ابی داؤد: جلد اول، ص۱۹۵

۳۹۔ ابن حبان

۴۰۔ کتاب الخراج: ص۷۰، نیز الفاروق شبلی

۴۱۔ سنن ابی داؤد: جلد اول، ص۱۵۵، طبع کراچی

۴۲۔ القرآن: ۳۰/۳۱